© rasailojaraid.com

ایک روشن دماغ تھا' نہ رہا

رانا محمد شفیق خاں پسروری

خوب صورت چہرے اور خوب سیرت زندگی والے پروفیسر عبدالجبار شاکر بھی دل کے ہاتھوں بے بس ہوکر دنیا سے رخصت ہوگئے انا للہ وانا الیہ راجعون نماز جنازہ میں حاضری دی تو پتہ چلا زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ہزارہا لوگ ان کی خوش اخلاقی وخوش اطواری کے گرویدہ اور اسیر تھے ہر ایک کی زبان پر ان کے لئے تعریفی کلمات اور ان کے اوصاف حمیدہ کی مدحت کے الفاظ ہی تھے۔ زیادہ تر ان کے اپنے ساتھ بیتے لمحات کے حوالے سے ہی رطب اللسان تھے۔ محض سنی سنائی باتوں پر تعریف نہ کر رہے تھے۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر کی وفات پر ان کے خاندان وپس ماندگان کو بہت دکھ ہوگا مگر ان سے استفادہ اکتساب فیض کرنے والوں کا دکھ سب سے سوا ہے کہ پروفیسر صاحب کسی بھی موضوع پر بات کرتے تو ان کا اندازہ ولہجہ اخلاص وعلمیت سے معمور اور اپنائیت سے بھرپور ہوتا تھا۔ الفاظ کا چناؤ خوب اور برمحل کرتے اور پھر جب ان بہترین الفاظ کو ادا کرتے تو سننے والا واری وقربان ہو ہو جاتا۔ وہ حقیقتاً علوم کا مخزن اور چلتے پھرتے معلم تھے۔ چہرے کی خوبصورتی' گورے پن اور براؤن آنکھوں تک محدود نہ تھی۔ ان کے اجلے اندرون نے ان کے گرد ایک نورانیت کا ہالہ سا قائم کر رکھا تھا۔ وہ کہیں'' چلے آتے تو دیکھنے والے صرف دیکھتے ہی احترام پر مجبور ہو جاتے تھے اور پھر جب گفتگو چلتی تو یہ احترام میں کھڑے ہونے والے گرویدہ ہوتے چلے جاتے۔

کہتے ہیں'' یارہ پیاجانے' یا واہ پیا جانے'' (یعنی کسی کے اصل حالات اور فطرت وعادات کا پتہ اس کو چلتا ہے جو اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرے یا کسی سفر میں ساتھی ہو) مجھے ان کے ساتھ ایک طویل سفر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ میں نے ان کی خلوت وجلوت کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا وہ اول وآخر ایک مرد درویش اور علم وکتاب کے عاشق تھے۔ انہیں سیر وسیاحت میں بھی شور وہنگامہ اور محض نظارہ ودید سے دلچسپی نہ تھی' وہ علمی شخصیات سے ملاقاتوں اور تاریخی مقامات دیکھنے کے شوقین تھے۔ کتب خانوں خصوصاً نوادر کتب کی طرف ان کا دل کھنچ کھنچ جاتا تھا ان کا اپنا کتب خانہ جسے انہوں نے ''بیت الحکمت'' کا نام دے رکھا تھا' ایک خاصے کی شے ہے۔ اس کتب خانے میں کتابوں کی تعداد ہی حیران کن نہیں بلکہ ان کی حیثیت واہمیت بھی قابل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعریف ہے۔ ان کو قرآن پاک، سیرت النبی ﷺ اور اقبالیات سے خصوصی تعلق خاطر تھا۔ چنانچہ ان موضوعات پر ان کے پاس وافر ذخیرہ تھا۔ بعض اوقات وہ فخر اور تحدیث نعمت کے طور پر کہا کرتے تھے کہ "سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اقبالیات پر جتنا ذخیرہ میرے پاس ہے اتنا کسی اور کے ہاں نہیں"

کتابوں کو جمع کرنے میں انہوں نے جنون و مشقت کی کئی داستانیں رقم کی ہوں گی۔ ان کا کتب و علوم سے لگاؤ والہانہ اور جنون کی حد تک تھا۔ وہ سب کچھ ہاتھ سے دے کر بھی اپنے شوق کی تکمیل کو تیار رہتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ تن تنہا اتنی بڑی اور نادر کتب پر مشتمل لائبریری قائم کر دکھائی۔

غیر ملکی سفر کے دوران بھی وہ اپنے شوق کے ہاتھوں کوئی بھی رسک لینے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ میرا ان کا ساتھ بھارت کے سفر میں رہا۔ وہاں ہم دونوں مولانا عبدالوہاب خلجی کے ذاتی مہمان تھے۔ ایک ہی کمرے میں سکونت تھی اور اکٹھے ہی گھومتے پھرتے اور ملاقاتیں کرتے رہے۔ اس سفر میں کئی شہروں اور شخصیات کی زیارت کی اور کئی کتب خانوں کی گرد بھی سمیٹی۔ وہ نادر کتب کو کسی بھی قیمت پر خریدتے رہے اور جو کتب مل نہ پائیں ان کی فوٹوسٹیٹ حاصل کرتے رہے۔ واپسی پر ان کے سامان کا وزن بہت زیادہ ہو گیا۔ وہ اپنا ذاتی استعمال کا سامان چھوڑ آئے مگر کتابوں کو نہ چھوڑا۔ جتنی جیب میں رقم تھی زیادہ وزن کی مد میں ادا کر دی، پھر بھی بہت زیادہ کتب ان کے آنے کے بعد مولانا خلجی نے کسی اور طریقے سے ارسال کیں۔

اس سفر میں ان کی زندگی کے کئی خوش کن پہلو (پہلی بار میرے سامنے) آشکار ہوئے۔ وہ نہایت عبادت گزار اور نیک خو تھے مگر "زاہد خشک" نہ تھے۔ وہ نہایت ملنسار، منکسر مزاج بھی تھے اور سچائی پر ڈٹ جانے والے بھی، ان کو بات کرنے کا ڈھنگ خوب آتا تھا، تلخ سے تلخ بات کو بھی خوش گوار انداز میں مسکراتے ہوئے کہہ جاتے تھے۔ اکثر گفتگو کرتے ہوئے مسکراہٹ ان کے چہرے پر کھیلتی رہتی جو خوبصورت چہرے کو اور زیادہ حسن عطا کر دیتی۔ وہ نہ صرف شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے بلکہ کبھی کبھار خود بھی شاعری فرما لیتے تھے۔ دہلی کی ایک دو مجلسوں میں انہوں نے اپنی شاعری کا کمال بھی دکھایا تھا۔ ان کی مجلسی گفتگو قہقہہ بار ہوتی۔ وہ ہنستے کھیلتے دقیق مسائل کو آسانی سے حل کر دیا کرتے تھے۔ نہ تنگ نظر تھے نہ کڑوے کسیلے، مرنجان مرنج اور خوش گو تھے۔ ان کی مجالس، ان کی تقاریر، وخطابات واقعتاً دل کو کھینچنے اور دماغ میں جگہ بنانے والے ہوتے۔

وہ وقت سے فائدہ اٹھانا جانتے تھے، انہوں نے محض اپنی صلاحیتوں اور اپنے ذاتی تعلقات کے حوالے سے اونچا مقام اور لوگوں کے دلوں میں جگہ حاصل کی۔ وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو دنیا کی (رقبے کے لحاظ سے) سب سے بڑی مسجد (فیصل مسجد اسلام آباد) کے خطیب، الدعوۃ اکیڈمی کے ڈائریکٹر، مانے ہوئے ماہر اقبالیات اور ممتاز مذہبی سکالر کی حیثیت سے رخصت ہوئے۔ ان کا جنازہ ان کی عظمت کی گواہی دے رہا تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ہزاروں افراد (جو دور دراز علاقوں سے صرف) عقیدت و محبت کا نذرانہ۔ لے کر آئے تھے' تو صرف ان کی ذاتی صلاحیت' ان کی خدمات' علوم میں ان کی پختگی اور مذہبی موضوعات پر ان کے ادراک و بیان کے گرویدہ ہو کر آئے تھے۔ وہ واقعتاً موجودہ دور کی چنیدہ شخصیات میں سے ایک تھے کہ ان جیسے کبھی کبھار پیدا ہوتے ہیں اور جب دنیا سے جاتے ہیں تو ان گنت نشانات و اثرات چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ بھی اپنے جانے کے بعد اور زیادہ یاد کئے جائیں گے وہ محض ذرائع ابلاغ کے سہارے زندہ نہیں رہیں گے' وہ خود ایک ''پیکر حیات'' بن چکے ہیں کہ جن کے بارے میں برملا کہا جاسکتا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

گرچہ ان کی کوئی کتاب مطبوعہ نہیں' مگر کئی کتب ان کے دفاتر میں تحریری صورت میں موجود ہیں اور پھر سینکڑوں (بلکہ ہزاروں) تقاریظ پیش لفظ اور مقدمہ ہائے کتب کہ جن کی وجہ سے متعلقہ مصنفین اور تصنیف کو رسوخ ملا (اگر ان کو یکجا کر دیا جائے تو کئی جلدوں کی مبسوط کتاب تیار ہو جائے) ان کے اثرات کو قیامت تک قائم رکھنے کا باعث ہوں گے۔ دلوں میں بکھری یادیں' ان کی خوش گوار باتیں بھی عرصہ دراز تک محفلوں کو مہکاتی اور مرحوم کے لئے دعائیہ ہاتھ اٹھواتی رہیں گی۔

کانٹے چھوڑ گئی آندھی لے گئی اچھے اچھے پھول

پروفیسر عبدالجبار شاکر کے والد مولانا حکیم عبدالعزیز بھی ماہر علوم و فنون تھے جنہوں نے وقت کے بڑے مدارس دینیہ (مرکز اسلام لکھوکے اور مدرسہ سعیدیہ دہلی) سے اکتساب و استفادہ کیا۔ اپنی زندگی میں چلنے والی تمام ملی و سیاسی تحریکات میں حصہ لیا۔ آزادی کی جنگ میں باقاعدہ شریک رہے۔ سید احمد بریلوی و شاہ اسماعیل شہید کی جماعت مجاہدین سے خصوصی تعلق رہا۔ قیام پاکستان کے بعد حج کے لیے گئے تو واپسی پر عربی زبان میں مختلف علوم و فنون کی بے شمار کتب ساتھ لے آئے۔ خود بھی تحریر و تقریر سے خاصا ربط تھا اور ان فنون کے ماہرین سے تعلق بھی۔ ایک اچھی خاصی لائبریری قائم کر دکھائی۔ یہی لائبریری ان کے صاحبزادے اور ہمارے ممدوح حضرت عبدالجبار شاکر لاہور لے آئے اور ''بیت الحکمت'' کے نام سے اس کو وسعت دے کر کمال تک پہنچا دیا۔ اس وقت بلا شبہ اس کا شمار ملک کی چند بڑی (ذاتی) لائبریریوں میں ہوتا ہے۔ خصوصاً سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم' اقبالیات اور علوم القرآن میں یہ اپنی مثال آپ ہے۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر نے ابتدائی دینی کتب اپنے والد گرامی حکیم عبدالعزیز سے ہی پڑھیں۔ پھر ایک سال (77-1976) مدرسہ رحمانیہ شیخوپورہ میں کتب فیض کیا جبکہ 1968ء میں انہوں نے اردو میں ایم اے کیا۔ 1978ء میں لاء میں ڈگری حاصل کی اور 1995ء میں اقبالیات میں ایم فل کی ڈگری لی۔ پی ایچ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈی کے لیے دیر سے تیار ہوئے۔ اس کا مقالہ آخری مراحل میں تھا کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بطور استاد پڑھاتے رہے۔ بائیس سال پبلک لائبریریز پنجاب کے ڈائریکٹر رہے پھر اسلام آباد میں الدعوۃ اکیڈمی کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے منتقل ہو گئے اور یہیں فیصل مسجد کی خطابت سے سرفراز ہوئے۔ 2004ء میں بھارت کے سفر کے دوران جناب عطاء الحق قاسمی بھی موجود تھے' گاہ بگاہ ان کی اور پروفیسر صاحب کی دوستانہ چونچ لڑ جاتی۔ قاسمی صاحب نے مجھے مخاطب کر کے کہا ''آپ محسوس نہ کریں' ہم کلاس فیلو رہے ہیں' اس لئے ایسی دوستانہ بے تکلفی برت لیتے ہیں''

پروفیسر عبدالجبار شاکر کو کتب (خصوصاً نادر کتب) سے دیوانگی کی حد تک لگاؤ تھا۔ (ڈاکٹر عبدالغفور راشد نے اپنی کتاب ''تذکرۃ الابرار'' میں لکھا ہے کہ) ''پروفیسر عبدالجبار شاکر جب اپنے ذخیرہ کتب میں داخل ہوتے ہیں تو ان کا انہماک اور وارفتگی دیدنی ہوتی ہے۔ بالخصوص کسی زائر یا مہمان کو اپنی جمع کردہ کتب کا تعارف کرواتے ہیں تو اس وقت ان کے جذبات واحساسات ایسے ہوتے ہیں جنہیں الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا۔ اس ضمن میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ وہ اپنا نسبی وخاندانی اور اپنی اولاد کا تعارف تو سرسری کرواتے ہیں لیکن جب کسی کتاب یا مخطوطے کا ذکر آجائے تو صاف نظر آتا ہے یہ ان کو اپنے خاندان اور اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہے۔''

بھارت میں بھی وہ جہاں جاتے اپنی لائبریری اور اس میں موجود کتب کا ذکر کرتے تو ان کی آنکھوں میں ایک خاص تفاخر در آتا۔ وہاں جس کو ملتے اسے دعوت دیتے کہ وہ پاکستان آئے اور ان کی لائبریری دیکھے بلکہ آفر کرتے کہ اس کا قیام ہی ''بیت الحکمت'' میں ہونا چاہئے۔ مولانا عبدالوہاب خلجی جب لاہور آئے تو ایک ایک کتاب کھول کر اس کے بارے میں بتاتے رہے۔ بعض قیمتی کتب کو محفوظ کر کے رکھا ہوا تھا' ان کو تالے سے نکال کر ان کی تاریخی حیثیت سے آگاہ کرتے رہے۔ اس وقت ان کی حالت فخر وانبساط سے ایسی تھی کہ الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ میرا ان سے ایک خاص تعلق خاطر قائم ہو چکا تھا' انہوں نے میری ایک کتاب ''خطبات پسروری'' کا مقدمہ بھی تحریر کیا' گاہ بگاہ میں ان کی اس لائبریری میں بھی جاتا اور کتب سے آگاہی حاصل کرتا رہا مگر مولانا خلجی والی ملاقات میں ان کا فخر اور لہجہ حیران کر رہا تھا۔

مولانا عبدالوہاب خلجی بھارت (دہلی) میں میرے اور ان کے میزبان تھے۔ میں پہلے سے وہاں تھا (جب بھی جاؤں مولانا خلجی کے ہاں ہی شفقت ومحبت کا سزاوار ہوتا ہوں) جبکہ پروفیسر عبدالجبار شاکر وہاں کتب کی نمائش میں اپنے مکتبہ ''کتاب سرائے'' کے مالک کی حیثیت سے گئے تھے۔ انہوں نے اپنا قیام مرکزی جمعیت اہل حدیث انڈیا کے آفس نزد جامع مسجد دہلی میں کیا تھا۔ وہاں ان کی پہلے سے ذاتی واقفیت نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی' لاہور کے ایک مکتبہ والے کا تعارفی خط لے کر گئے تھے۔ انہوں نے ان کو مہمان خانے کے ایک کمرے میں ڈال دیا' رات بارش ہوئی تو چھت اگلے روز (دن میں بھی) ٹپکتی رہی۔ میں گھومتے گھماتے وہاں چلا گیا تو ایک ملازم سے پتہ چلا "پاکستان کے ایک بزرگ بھی وہاں ٹھہرے ہیں۔"

پاکستان کا نام سن کر کمرے کی طرف چلا گیا' دیکھا تو پروفیسر صاحب تھے۔ حال احوال پوچھا تو مسکرا کر کہنے لگے "دیکھ لیں' کیا حال ہے!" میں نے ان کا سامان اٹھایا ان کو ساتھ لیا اور مولانا عبدالوہاب خلجی کے ہاں لے گیا۔ پھر جتنے دن رہے وہیں میرے ساتھ انہی کے ہاں رہے۔ میں چونکہ پہلے بھی کئی بار بھارت جا چکا تھا' اس لئے اکثر مقامات کی سیر کرواتا اور ان کے بارے میں بتاتا رہا۔ پروفیسر صاحب پورے سفر میں جہاں جاتے وہاں کے بارے میں لکھتے رہے۔ اچھی خاصی یادداشتیں اور تاریخی معلومات نوٹ کر لیں۔ میں پوچھتا "حضرت! ان یادداشتوں کا حال بھی دیگر تحریرات کی طرح کا ہی ہوگا؟" مسکرا کر فرماتے "نہیں' بھارت کا سفرنامہ تو جاتے ہی چھپوالوں گا"

وہاں کئی ایک یادگاری فوٹو بھی بنے مگر وہ کہیں ان کے مسودات اور کتب کی تہوں میں ہی گم ہو چکے ہیں۔ پاکستان آ کر بھی اس حوالے سے کئی بار بات چلی مگر وہ "جلد" نہ آ پایا' جس کا وہ فرمایا کرتے تھے۔

دہلی میں انہیں اپنے والد گرامی کے مدرسہ سعیدیہ' دارالحدیث رحمانیہ میاں نذیر حسین دہلوی کے مدرسہ (حبش خان پھاٹک) اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے خاندان کے متعلقات سے زیادہ دلچسپی تھی۔ کئی ایک علمی شخصیات سے مولانا خلجی نے بھی ملوایا۔ ایک دو مشاعروں میں بھی گئے' وہاں کلام بھی سنایا۔ مولانا خلجی نے ان کے اور میرے اعزاز میں "انڈیا انٹرنیشنل دہلی" جیسی وقیع جگہ پر استقبالیہ بھی دیا' جس میں تمام مسلم تنظیموں کے سربراہان اور حکومت کے بعض زعماء بھی مدعو تھے۔ ایک وفاقی وزیر سپوت کانٹ سہائے اور دہلی اسمبلی کے اسپیکر شعیب صدیقی اور اس وقت کے پاکستانی ہائی کمشنر منور سعد بھٹی نے تو باقاعدہ پاک بھارت تعلقات پر تقاریر بھی کی تھیں۔ اس استقبالیہ میں انہیں اور مجھے باقاعدہ یادگاری شیلڈز بھی دی گئیں۔

میں آگرہ جا رہا تھا تو وہ بھی میرے ساتھ گئے۔ آگرہ ایک لحاظ سے میرا "ننھیال" بھی ہے۔ وہ وہاں بھی میرے ساتھ میرے ماموں کے ہاں ٹھہرے۔ گھر والوں کو تو ایک بزرگ مل گئے تھے۔ وہ جی بھر کے ان کی خدمت کرنے لگے۔ ان کا بھی گھر کے بچوں سے شفقت بھرا پیار ایسا رہا کہ وہاں سے جب کبھی فون آتا یا بات ہوتی تو وہ اپنے "باباجی" کے بارے ضرور پوچھتے۔ میں نے ان کو ان کی وفات کی خبر دی تو وہ اس طرح رونے لگے جس طرح واقعتاً ان کا کوئی خاندانی بزرگ فوت ہو گیا ہو۔

پروفیسر صاحب کو آگرہ میں بھی کئی علمی شخصیات سے ملوایا گیا' وہاں کی تاریخی عمارات کی سیر کروائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئی۔ اس دوران میں ایک لطیفہ بھی ہوا۔ تاج محل اور شاہی قلعہ میں داخلے کے لئے ٹکٹ لگی ہے جو بھارتی لوگوں کے لئے دس روپے میں ملتی ہے جبکہ غیر ملکیوں کو 20 ڈالر کی ملتی ہے۔ ہم اگر پاکستانی کی حیثیت سے ٹکٹ لیتے تو وہ بہت مہنگی تھی' اس کا حل یہ نکالا گیا کہ وہاں میرے ایک کزن نے اپنے حساب میں ٹکٹ حاصل کر لیے اور پروفیسر صاحب سے کہنے لگا آپ اپنی واسکٹ اور ٹوپی اتار لیں۔ اس سے پتہ چل جائے گا کہ ''آپ پاکستانی ہیں''۔ پروفیسر صاحب نے نوجوان کی بات مان لی۔ ''تاج محل'' کے اندر ایک ''عجائب گھر'' بنا ہوا ہے۔ جب وہاں گئے تو وہ اپنے وقت کے مطابق بند ہو رہا تھا' پروفیسر صاحب تاریخی نوادرات دیکھتے اور ان کے بارے میں لکھتے جا رہے تھے' وقت زیادہ لگ رہا تھا'' عجائب گھر'' کے ملازموں نے کہا'' بابا جی! باہر چلیں وقت ختم ہو گیا ہے''۔

یہ اس بات کو بھول گئے کہ یہاں واسکٹ اتار کر آئے ہیں۔ جلالی انداز میں بولے'' میں بھی ایک میوزیم کا ذمہ دار ہوں' تم مجھے کام کرنے دو' ملازم جواباً تلخی میں آنے لگے تو میں نے اور میرے کزنوں نے آگے بڑھ کر بات سنبھالی۔ ان کو بتایا گیا کہ آپ کس حیثیت میں داخل ہوئے ہیں اور انہیں کہا کہ'' یہ بزرگ بہت اونچے تعلقات والے ہیں' ان کو کام کرنے دو' پندرہ بیس منٹ دے دو'' ساتھ ہی ان کی مٹھی گرم کر دی اور وہ چپ ہو گئے۔ شاہی قلعہ میں میرے ایک ماموں زاد کی واقفیت کام آ گئی وہاں کوئی بدمزگی نہ ہوئی۔

آگرہ سے واپسی پر پروفیسر صاحب کا اصرار بڑھا کہ وہ علی گڑھ دیکھنا چاہتے ہیں' وہاں کا ویزہ نہ تھا۔ وہاں کے لئے خصوصی طور پر انہیں کرتا پاجامہ لے کر دیا گیا اور ایک خاندان کے ساتھ روانہ کیا' وہاں انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی گھوم پھر کر دیکھی۔ وہاں کی عظیم لائبریری ان کا خاص ہدف تھا' وہاں کتب کا مشاہدہ کرتے رہے' مجوزہ وقت سے بہت زیادہ صرف کر بیٹھے۔ طے شدہ وقت پر دہلی نہ پہنچے تو ہمیں فکر ہوئی' مگر ان کو پرواہ نہ تھی۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں'' باقاعدہ'' لیکچر دیتے اور شخصیات سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ حکیم سید ظل الرحمان کے گھر میں بھی ایک شاندار لائبریری اور میوزیم ہے وہ بھلا دیکھے بغیر کس طرح آگے بڑھتے۔ بعد میں جب دہلی پہنچے تو میں نے کہا۔'' آپ نے بہت بڑا رسک لیا۔''

کہنے لگے زندگی کا کیا پتہ ہے' اب یہاں آ کر محروم چلا جاؤں' یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا''

دہلی میں ان کی یادگار ملاقاتوں میں سے ڈاکٹر عبدالودود اظہر (جو صدر میں قیام پذیر ہیں) جماعت اسلامی ہند کے مرکزی دفتر (اوکھلا) میں' جماعت کے بھارتی امیر سے خاصے کی چیز تھی۔

'جہاں بھی گئے داستان چھوڑ آئے

☆......☆......☆......☆

© rasailojaraid.com